سورۃالتکویر(آیات 11–20):کائناتی مناظرِ قیامت، نجومی قسمیں (الخُنَّسُ الجَوَارِ الکُنَّس)، لغوی و تفسیری تحقیق، اور "رسولِ کریم" کے مصداق پر علمی نقد—تفسیرِ حقانی کی روشنی میں

Surah al-Takwīr (Verses 11–20): Cosmic Scenes of the Resurrection, the Oath of the Celestial Bodies (al-khunnas al-jawāri al-kunnas), Linguistic and Exegetical Analysis, and a Critical Study of the "Noble Messenger" — in the Light of Tafsīr Ḥaqqānī

Zaheer Ud Din
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies,
University of Agriculture, Peshawar
Email: aupzaheer@gmail.com
Dr. Syed Naeem Badshah
Co-Supervisor Department of Islamic Studies,
University of Agriculture, Peshawar
Email: syenbs@aup.edu.pk

Abstract
This paper offers a linguistic, exegetical, and theological study of Surah al-Takwīr (11–20), a passage that juxtaposes cosmic upheaval with oaths by celestial phenomena, culminating in an affirmation of the Qur'an's divine authenticity. The verses portray the heavens stripped away (*kushitat*), Hell ignited (*suʿʿirat*), and Paradise drawn near (*uzlifat*), moments in which every soul will be confronted with its deeds. Detailed philological analysis of these terms, supported by classical lexicons and exegetical authorities, reveals the rhetorical precision and theological depth of the surah's apocalyptic imagery.
The study examines oaths by the celestial bodies—*al-khunnas, al-jawāri, al-kunnas*—with attention to their linguistic roots and exegetical interpretations, ranging from stars and planets to metaphors of cosmic retreat and reappearance. The phrase *"wa-al-layli idhā ʿasʿasa wa-al-ṣubḥi idhā tanaffas"* is analyzed through its dual lexical possibilities (night's approach or withdrawal), reflecting the cyclical order of creation as evidence for resurrection.
A central focus is the declaration *"innahu la-qawlu rasūlin karīm ... dhī quwwah ʿinda dhī al-ʿarshi makīn."* The study compares exegetical positions identifying the "Noble Messenger" as either Jibrīl (Gabriel) or

the Prophet Muḥammad ﷺ, while affirming the Sunni theological consensus that both the words and meanings of the Qur’an are entirely divine. Sufi insights, particularly from ʿAbd al-Ḥaqq, interpret these cosmic images as metaphors for spiritual unveiling and the inner “resurrection” of the soul.

Collectively, the analysis shows that this section of Surah al-Takwīr integrates cosmic disintegration, moral accountability, and the truth of revelation into a coherent theological vision: creation’s grandeur is fleeting, permanence belongs to the Hereafter, and salvation lies in monotheism, gratitude, justice, and righteous deeds through adherence to the Qur’an.

Keywords: Surah al-Takwīr; Qur’anic exegesis; Tafsīr Ḥaqqānī; celestial oaths; resurrection; revelation; Gabriel; eschatology; Sufi interpretation

تمہید:

یہ تحریر سورۃ **التکویر** کی آیات 11–20 کا کثیر الجہتی مطالعہ پیش کرتی ہے جس میں مناظرِ قیامت (آسمان کا کھل جانا/ اُکھڑنا، جہنم کا بھڑک اٹھنا، جنت کا متقین کے قریب لایا جانا) اور اس کے نتیجے میں ہر نفس کے اعمال کا کامل انکشاف مرکزی محور ہیں۔ متن میں ہر آیت کے الفاظ کی دقیق لغوی تحقیق (مثلاً كُشِطَتْ، سُعِّرَتْ، أُزْلِفَتْ (کے ساتھ کلاسیکی تفاسیر کے اقوال منظم انداز میں نقل و تقابل کیے گئے ہیں، تاکہ آیات کے معنیاتی دائرہ، اسالیبِ بلاغت اور اعتقادی مضمرات واضح ہوں۔

مطالعے کے اہم مباحث یہ ہیں:

- ”وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ :”کشط کے لغوی اصل (کھینچ کر اُتار دینا/ پردہ ہٹا دینا) سے آسمانی نظام کے اُکھڑنے اور حقیقتِ آخرت کے آشکار ہونے کا ربط؛ قرآنی نظائر کے ساتھ۔
- ”وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ ... وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ :”جہنم کے دہکائے جانے اور جنت کے قریب لانے کی تصویری بلاغت؛ اہلِ ایمان و اہلِ کفر کی نفسی حالت کا تقابلی بیان اور حدیثی شواہد۔
- ”عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ :”اعمال کے صحائف اور خود اعمال کے مُجسّم ہونے کے نظریے پر مفسرین (خصوصاً آلوسی) کی توضیحات؛ عدلِ الٰہی کی حاکمیت۔
- نجومی قسمیں:”فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ، الْجَوَارِ الْكُنَّسِ :”تینوں اوصاف کی لغت، سیارگان/ کواکب کی طرف ان کی نسبت، ”لا” کے زائدہ/ نفی — دوہرے احتمالات، اور جمہور و دیگر اقوال کی علمی درجہ بندی۔

- "وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ ": "عَسْعَسَ کے دو معنی (رات کا آنا / جانا) اور کونی نظام کی گردش سے بعثِ بعد الموت پر استدلال؛ ماتریدی کی حکیمانہ تعلیل۔
- "إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ ... ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ" : "رسولِ کریم" کے مصداق پر بحث— جمہور کے نزدیک جبریلؑ، بعض کے نزدیک رسول اللہ ﷺ—اور دونوں قرائن کا تقابلی وزن؛ ساتھ ہی عقیدۂ اہلِ سنت کہ قرآن کے الفاظ و معانی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں، آیاتِ نزول کی روشنی میں۔
- صوفیانہ اشارات : اوائلِ سورت کی کیفیات کو اَحوالِ عرفانی پر منطبق کرنے کی تاویلاتِ مولانا عبد الحق— تجلّیِ ذات و صفات کے غلبے سے "قیامتِ باطنی" کی توضیح۔

بالآخر مقالہ یہ نتیجہ سامنے لاتا ہے کہ سورۃ التکویر کا یہ حصہ کونی انہدام، اخلاقی محاسبہ اور صداقتِ وحی کو ایک مربوط بیانیے میں جمع کرتا ہے: کائناتی عظمت بھی فانی ہے؛ دوام آخرت کو ہے؛ نجات کی راہ توحید، شکر، عدل اور عملِ صالح ہے—اور قرآن، جو "قولِ رسولٍ کریم" کے طور پر نازل ہوا، بندۂ مومن کے لیے ہدایتِ قطعی کا سرچشمہ ہے۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ۔ وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ۔ وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ۔ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ۔ فَلَا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ۔ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ۔ وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ۔ وَالصُّبْحِ إِذَا تَنَفَّسَ۔ إِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيمٍ۔ ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ۔

ترجمہ: اور جب آسمان آسمان کی (نیلی) چادر اُتار لی جائے اور جبکہ دوزخ دہکائی جائے اور جبکہ بہشت پاس لائی جائے (تب) ہر شخص جان لے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔ سو ہم کو قسم ہے ان ستاروں کی جو چلتے چلتے پیچھے ہٹنے لگتے، غائب ہو جاتے ہیں اور قسم ہے ڈھلتی رات کی اور صبح کی، جبکہ روشن ہو کہ یہ قرآن ایک معزز رسول (جبرئیل) کی زبانی ہے جو بڑی قوت والا عرش والے کے پاس رتبہ رکھتا ہے۔

ان آیات کا بنیادی موضوع یہ ہے کہ ان آیات میں قیامت کے دن ہونے والے مختلف مناظر اور ان کی ہولناکی کو بیان کیا جائے گا۔ مثلاً آسمان کا لپیٹنا، جہنم کو بھڑکانا، گناہگاروں کے لیے سزا تیار ہو گی۔ جنت کو متقین کے قریب کر دیا جائے گا تاکہ انعام کے لیے تیار ہو۔ ستاروں کی مختلف صفات کی مکمل تشریح کی جائے گی۔ "رسول امین" کے مصداق کو بیان کیا جائے گا اور مصداق کے مطابق اس کے صفات کی تشریح کی جائے گی۔

وَإِذَا السَّمَاءُ كُشِطَتْ

"کشطت" کا لغوی معنی:

"کشط" کا مطلب ہے کسی چیز کو اوپر سے ہٹانا یا کھینچ کر اتار دینا۔ چنانچہ "لسان العرب" میں اس کا معنی لکھا ہے:

" كَشْطاً: قَلَعه ونزَعه وكشَفه عَنْهُ۔ "[1]

ترجمہ: "کَشْطاً: اسے کھینچ کر اتارنا، نکالنا اور اس سے پردہ ہٹانا۔"

آیت کی تفسیر:

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں تفصیل ہے۔ مفسرین حضرات اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہے کہ قیامت کے دن آسمان کی موجودہ حالت ختم کر دی جائے گی اور اسے ہٹا دیا جائے گا، تاکہ اس کی جگہ کوئی نئی کیفیت ظاہر ہو۔ انہوں نے اس پر غور کیا کہ آسمان کی ساخت اور نوعیت کیا ہے اور یہ تبدیلی کس طرح واقع ہو گی۔ "کشط" کا مطلب ہٹانا یا ظاہر کرنا ہے۔ اس کا مطلب یہ کہ قیامت کے دن آسمان کی چھپائی ہوئی حقیقت واضح ہو جائے گی یا یہ کہ آسمان کی موجودہ شکل ختم کر دی جائے گی۔ اس آیت کا مقصد یہ بھی ہے کہ انسان کو قیامت کے دن کی ہولناکی اور عظمت کا احساس دلانا ہے۔ آسمان جیسے عظیم مخلوق کا اس طرح بدل جانا، انسان کے لیے ایک بڑا نشان ہو گا کہ اللہ کی قدرت کی کوئی حد نہیں۔ "تفسیر قرطبی" میں امام قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"الْكَشْطُ: قَلْعٌ عَنْ شِدَّةِ الْتِزَاقٍ، فَالسَّمَاءُ تُكْشَطُ كَمَا يُكْشَطُ الْجِلْدُ عَنِ الْكَبْشِ وَغَيْرُهُ وَالْقَشْطُ: لُغَةٌ فِيهِ. فَالسَّمَاءُ تُنْزَعُ مِنْ مَكَانِهَا كَمَا يُنْزَعُ الْغِطَاءُ عَنِ الشَّيْءِ. وَقِيلَ: تُطْوَى كَمَا قَالَ تَعَالَى: يَوْمَ نَطْوِي السَّماءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ فَكَأَنَّ الْمَعْنَى: قُلِعَتْ فَطُوِيَتْ. وَاللَّهُ أَعْلَمُ۔ "[2]

ترجمہ: "الْكَشْطُ: شدت سے چپکی ہوئی چیز کو کھینچ کر اتارنا، جیسے بھیڑ کی کھال کھینچ کر اتاری جاتی ہے۔ قَشْط اس کی ایک زبان میں شکل ہے۔ آسمان کو اس کے مقام سے اس طرح ہٹایا جائے گا جیسے کسی چیز سے پردہ ہٹایا جاتا ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ اسے لپیٹ دیا جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا' : جس دن ہم آسمان کو ایسے لپیٹ دیں گے جیسے رجسٹر کو لپیٹا جاتا ہے۔' پس گویا مطلب یہ ہے کہ اسے کھینچ کر لپیٹ دیا جائے گا۔ اللہ بہتر جانتا ہے۔"

وَإِذَا الْجَحِيمُ سُعِّرَتْ

" سُعِّرَتْ "کا لغوی معنی:

لفظ " سُعِّرَتْ " عربی زبان میں باب "تفعیل" سے مشتق ہے، اور اس کا مادہ "سَعَرَ" ہے۔ اس کے بنیادی معنی ہیں "بھڑکانا"، "آگ کو تیز کرنا"، یا "شدید حرارت پیدا کرنا"۔ "لسان العرب" میں اس کا معنی یوں بیان کیا ہے:

"سَعَّرَ النارَ۔[3]" یعنی آگ کو بھڑکانا اور اس کا شعلہ بلند کرنا"۔

جہنم کا جوش مارنا:

قیامت کے دن جہنم بھڑکائی جائے گی، یعنی اس کی آگ انتہائی شدت سے دہکنے لگے گی۔ یہ کیفیت گناہگاروں کو عذاب دینے کے لیے ظاہر کی جائے گی۔ "سُعِّرَتْ" کا مطلب ہے کہ جہنم کی آگ مزید بھڑکائی جائے

گی تاکہ یہ مزید سخت اور شدید ہو جائے۔ یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے غصے اور جہنم کے عذاب کی ہولناکی کو ظاہر کرتی ہے۔ گناہگاروں کے لیے یہ انتباہ ہے کہ جہنم ان کے اعمال کی سزا کے طور پر تیار ہو گی۔ یہ بیان اس بات کی یاد دہانی ہے کہ انسان اپنے اعمال کے انجام کو سمجھے اور قیامت کے دن کے خوف کو دل میں رکھے۔ علامہ ابن کثیرؒ نے "تفسیر ابن کثیر" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"قَالَ السُّدِّيُّ: أُحْمِيَتْ. وَقَالَ قَتَادَةُ: أُوقِدَتْ. قَالَ: وَإِنَّمَا يُسَعِّرُهَا غَضَبُ اللَّهِ وَخَطَايَا بَنِي آدَمَ۔"[4]

ترجمہ: "سدّی نے کہا: اسے گرم کیا جائے گا۔ قتادہ نے کہا: اسے آگ لگائی جائے گی۔ اور مزید کہا: اسے اللہ کے غضب اور بنی آدم کے گناہوں سے بھڑکایا جائے گا۔"

وَإِذَا الْجَنَّةُ أُزْلِفَتْ

"أُزْلِفَتْ" کا لغوی معنی:

لفظ "ازلفت" عربی زبان میں "زُلْفَى" سے ماخوذ ہے، جس کا مطلب ہے "قریب کرنا" یا "نزدیک لانا"۔ یہ لفظ جڑ "ز-ل-ف" سے نکلا ہے، جو قربت، نزدیکی، یا کسی چیز کو قریب کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ "المعجم الوسیط" میں اس کا معنی لکھا ہے:

"زلف: إِلَيْهِ زلفا وزليفا دنا وَتقدم وَالشَّيْء قربه وَقدمه۔"[5]

ترجمہ: "زلف: کسی چیز کے قریب ہونا اور اسے قریب کرنا۔"

جنت کا قریب لانا:

جنت کا قریب لایا جانا اس بات کی علامت ہے کہ قیامت کے دن جنت کو متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے پیش کیا جائے گا تاکہ ان کے دل خوش ہوں اور ان کی نیکیوں کا صلہ دیا جائے۔ جنت کو قریب لانے کا مطلب یہ ہے کہ جنت اہل ایمان کے لیے بالکل تیار ہو گی اور وہ اپنے اعمال کے مطابق اس میں داخل ہوں گے۔ جنت کو قریب لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ متقی اور پرہیزگار لوگوں کے لیے سجائی اور مزین کی جائے گی۔ "تفسیر ماتریدی" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"قيل: قربت؛ فأضيف إليها التقريب؛ لأن أهلها إذا قربوا إليها فقد قربت هي إليهم۔"[6]

ترجمہ: "کہا گیا: قریب کیا جائے گا، پس اس کے قریب کرنے کی نسبت اسے دی گئی کیونکہ جب اس کے اہل اس کے قریب ہوں گے تو وہ بھی ان کے قریب ہو گی۔"

کفار قیامت کے دن جنت کی نعمتیں دیکھ کر شدید حسرت اور افسوس کا اظہار کریں گے، کیونکہ وہ دنیا میں ایمان نہ لائے اور اپنی آخرت کو برباد کر دیا۔ حدیث میں ان کی حسرت کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يُؤْتَى بِأَشَدِّ النَّاسِ بُؤْسًا فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ الْجَنَّةِ، فَيُصْبَغُ فِي الْجَنَّةِ صَبْغَةً، فَيُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ، هَلْ رَأَيْتَ بُؤْسًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ شِدَّةٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَبِّ! وَيُؤْتَى بِأَنْعَمِ النَّاسِ فِي الدُّنْيَا مِنْ أَهْلِ النَّارِ، فَيُصْبَغُ فِي النَّارِ صَبْغَةً، فَيُقَالُ: يَا ابْنَ آدَمَ، هَلْ رَأَيْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ هَلْ مَرَّ بِكَ نَعِيمٌ قَطُّ؟ فَيَقُولُ: لَا وَاللَّهِ، يَا رَبِّ"! [7]

ترجمہ: "سب سے زیادہ مصیبت زدہ شخص جو جنت میں ہوگا، اسے جنت میں ایک لمحے کے لیے ڈبو دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا: کیا تم نے کبھی کوئی مصیبت دیکھی؟ وہ کہے گا: نہیں، یارب! اور سب سے زیادہ آسودہ حال شخص جو جہنم میں ہوگا، اسے ایک لمحے کے لیے جہنم میں ڈبو دیا جائے گا اور پوچھا جائے گا: کیا تم نے کبھی کوئی آسائش دیکھی؟ وہ کہے گا: نہیں، یارب!۔"

یہ حدیث اس بات کو واضح کرتی ہے کہ کفار جنت کی نعمتیں دیکھ کر اپنی محرومی پر شدید افسوس کریں گے، لیکن اس وقت افسوس ان کے کسی کام نہ آئے گا۔

علمت نفس ما احضرت

قیامت کے دن کا منظر:

یہ آیت قیامت کے دن کی تصویر کشی کرتی ہے جب ہر انسان کو اس کے اعمال کے مطابق جزا یا سزا دی جائے گی۔ اُس دن نہ کوئی جھوٹ چلے گا اور نہ کوئی پردہ باقی رہے گا۔ ہر شخص اپنے اعمال کی حقیقت کو دیکھ لے گا۔ اس میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ انسان جو بھی عمل دنیا میں کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔ چاہے وہ نیکیاں ہوں یا گناہ، سب کچھ واضح ہو جائے گا۔ اس دن کوئی شک نہیں رہے گا کہ کون سا عمل صحیح تھا اور کون سا غلط۔ ہر جان کو اپنے اعمال کا مکمل شعور ہوگا اور وہ جان لے گی کہ اس کے اعمال کا انجام کیا ہے۔ قیامت کے دن اللہ کا عدل کامل ہوگا۔ کوئی عمل چھوٹا ہو یا بڑا، ظاہر ہو یا مخفی، وہ اللہ کے علم سے باہر نہیں۔ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ نے "روح المعانی" میں لکھا ہے:

"والمراد ب ما أَحْضَرَتْ أعمالها من الخير والشر، وبحضور الأعمال أما حضور صحائفها كما يعرب عنه نشرها وأما حضور أنفسها على ما قالوا من أن الأعمال الظاهرة في هذه النشأة بصور عرضية تبرز في النشأة الآخرة بصور جوهرية مناسبة لها في الحسن والقبح على كيفيات مخصوصة وهيئات معينة حتى أن الذنوب والمعاصي تتجسم هنالك وتتصور۔" [8]

ترجمہ: "مراد ہے جو اس کے اعمال حاضر کیے گئے، خیر اور شر دونوں، اور اعمال کا حاضر ہونا یا تو ان کے صحیفے حاضر ہونے سے ہے جیسا کہ ان کے کھلنے سے ظاہر ہوتا ہے، یا خود اعمال کے حاضر ہونے سے، جیسا کہ کہا گیا ہے کہ اس دنیا میں ظاہر ہونے والے اعمال آخرت میں جوہری صورتوں میں ظاہر ہوں گے، جو ان کے حسن و قبح کے مطابق ہوں گی، حتیٰ کہ گناہ اور نافرمانیاں بھی وہاں جسمانی صورتیں اختیار کریں گی۔"

آیات کی صوفیانہ تفسیر:

مولانا عبدالحقؒ نے سورہ تکویر کی ابتدائی آیات کی صوفیانہ تفسیر کی ہے جو کہ درجہ ذیل ہے:

اسی طرح بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں: اذ ا الشمس کورت" میں اشارہ ہے تجلی ذات وصفات کے ظہور کی طرف جو قلوبِ عارفین پر ہوتی ہے۔ پس اس وقت ان کی ارواح کے آفتاب بے نور ہو جاتے ہیں اور ان کے عقول کے ستارے دھندلے ہو جاتے ہیں۔ بسبب غلبہ نور ذات وصفات کے اور اس وقت ان کے دلوں کے پہاڑ یعنی وارداتِ محبت سخت ہواؤں سے اڑتے پھرتے ہیں اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور ان کے نفوس کی باردار اونٹنیاں اس کے سطوتِ جلال کے سامنے بے کار ہو جاتی ہیں۔ پھر اس وقت توحید کے دریا گرم ہو جاتے ہیں اور وحوشِ تفرید مجتمع ہو جاتے ہیں اور بجز ذاتِ پاک ذوالجلال والاکرام کے اور کچھ باقی نہیں رہتا اور ہر عارف کے ان احوال میں ایک قیامت ہے اور اسی طرح روحِ ناطقہ کا نفسِ مطمئنہ سے جوڑا لگا دیا جاتا ہے۔ پھر وہ دونوں ہمیشہ قرب کے باغوں اور وصال کے بہشتوں میں رہا کرتے ہیں۔ جیسا کہ دنیا میں مقاماتِ مراقبات میں رہا کرتے تھے اور اسی طرح مشاہدات کے باغ قریب کئے جاتے ہیں۔ واللہ اعلم باسرارِ کلامہ۔

صوفیاء کرام کی مذکورہ تفسیر کا مطلب یہ ہے کہ عارفین کے قلوب پر ذات وصفاتِ الٰہی کے غلبے سے ان کے روحانی انوار ماند پڑ جاتے ہیں، ان کے دل محبتِ الٰہی کے شدائد سے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں، اور توحید کے اسرار ومعارف کی تجلی قیامت کی مانند ان پر ظاہر ہوتی ہے۔

فلا اقسم بالخنس الجوار الکنس

الفاظ کی لغوی تشریح:

مولانا عبدالحقؒ آیت کے ذیل میں الفاظ کی تحقیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کہ پس میں قسم کھاتا ہوں خنّس کی کہ ایسے خنس جو جوار اور کنس ہیں۔ ان تینوں لفظوں کا مصداق ایک ہی چیز ہے، تین چیزیں جدا جدا نہیں۔ "جوار وکنس" اسی "خنس" کی صفات ہیں، ان الفاظ کے معانی یہ ہیں: 1۔ "خنس" خانس اور خانسہ کی جمع ہے اور "خنوس" ان کا مصدر ہے جس کے معنی مخفی ہونا اور ہٹنا

ہیں۔ خنس پیچھے ہٹ آنے والی چیزیں۔ 2۔ "جوار" جاری ہونے والی چیزیں یعنی سیدھا چلنے بوالیاں۔ 3۔ "کنس" کانس اور کانسہ کی جمع ہے، "کنس" چھپ جانا۔ کنس تشدید کے ساتھ چھپ جانے بوالی چیزیں۔"

عربی لغت میں "خنس" کا مطلب ہے چھپ جانا یا پیچھے ہٹ جانا۔ اسے ایسی چیز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو نظروں سے غائب ہو جائے۔ چنانچہ "المعجم الوسیط" میں ہے:

"وخناسا: تَأَخّر۔ وخنس بِهِ غَابَ بِهِ۔" [9]

ترجمہ: "وخناسا: پیچھے ہٹنا۔ وخنس بہِ: کسی چیز کے ساتھ غائب ہونا۔"

"جوار" کا مطلب ہے "چلنے والی" یا "حرکت کرنے والی"۔ یہ لفظ "جاری" سے نکلا ہے، جو بہنے یا حرکت کرنے کو ظاہر کرتا ہے۔

الجوار: "السير والحركة" [10] یعنی چلنا اور حرکت کرنا۔"

"کنس" کا مطلب ہے "چھپنے کی جگہ" یا "چھپنے والی چیز"۔ یہ لفظ جنگل کے ہرنوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے جو چھپنے کے لیے گھنے درختوں میں پناہ لیتے ہیں۔

"الكنس: المكان الذى يختفى فيه-" یعنی وہ جگہ جہاں کوئی چھپے۔" [11]

اس تینوں کا الفاظ کا معنی اور حقیقت بیان کرتے ہوئے علامہ آلوسیؒ "روح المعانی" میں لکھتے ہیں:

"فَلا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ جمع خانس من الخنوس وهو الانقباض والاستخفاء الْجَوارِ جمع جارية من الجري وهو المر السريع وأصله لمر الماء ولما يجري بجريه الْكُنَّسِ جمع كانس وكانسة من كنس الوحش إذا دخل كناسه وهو بيته الذي يتخذه من أغصان الشجر۔" [12]

ترجمہ: "فَلا أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ: خُنَّس، "خنوس" سے ہے جس کے معنی ہیں سمٹنا اور چھپنا۔ الْجَوارِ: "جری" ہونے سے ہے، جو تیزی سے حرکت کرنا ہے۔ الْكُنَّسِ: "كناس" سے ہے، جس کے معنی ہیں جنگلی جانور کا اپنے گھر میں چھپنا۔"

ستاروں کی صفات:

یہ آیات جہاں اللہ تعالیٰ نے "الخنس"، "الجوار"، اور "ال کی صفات کے ذریعے قسم کھائی ہے۔ یہ صفات ستاروں میں اس طرح پائی جاتی ہیں:

" الخنس" کا مطلب ہے چھپنے والا یا پیچھے ہٹنے والا۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ ستارے دن کے وقت چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے، کیونکہ سورج کی روشنی انہیں ڈھانپ لیتی ہے۔

"الجوار" "جوار" کا مطلب ہے چلنے والے یا گردش کرنے والے۔ یہ ستاروں کی مسلسل حرکت اور ان کے مداروں میں گردش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

"الکنس" کا مطلب ہے چھپنے کی جگہ۔ یہ ستاروں کے رات کو اپنے مخصوص مقام پر نظر آنے اور دن کے وقت غائب ہو جانے کی طرف اشارہ ہے، جیسے ہر ستارہ اپنے مدار میں حرکت کرتا ہوا مخصوص جگہ پر پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان آیات میں اپنی قدرت کی نشانیوں پر قسم کھاتے ہیں کہ ستارے (یا آسمانی اجرام) اپنی حرکات اور اوقات میں اللہ کے حکم کے مطابق چلتے اور غائب ہوتے ہیں۔ یہ آیات انسان کو دعوت دیتی ہیں کہ وہ ان مظاہرِ قدرت پر غور و فکر کرے تاکہ اللہ کی وحدانیت اور قدرت کو پہچانے۔ چنانچہ "تفسیر طبری" میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے:

"قال ابن زيد، في قوله: (أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ) قال: الخنس والجواري الكنس: النجوم الخنس، إنها تخنس تتأخر عن مطلعها، هي تتأخر كلّ عام لها في كلّ عام تأخر عن تعجيل ذلك الطلوع تخنس عنه. والكنس: تكنس بالنهار فلا تُرى. قال: والجواري تجري بعد، فهذا الخنس الجواري الكنس۔" [13]

ترجمہ: "ابن زید نے کہا"(أُقْسِمُ بِالْخُنَّسِ الْجَوَارِ الْكُنَّسِ) خنس اور جواری کنس سے مراد ستارے ہیں، جو اپنے طلوع سے پیچھے رہ جاتے ہیں۔ کنس، دن کے وقت چھپ جاتے ہیں اور نظر نہیں آتے۔"

امام آلوسیؒ نے اپنی تفسیر "روح المعانی" میں ان تینوں صفات سے مراد کواکب خمسہ لئے ہیں۔

"قال: هي خمسة أنجم زحل وعطارد والمشتري وبهرام يعني المريخ والزهرة۔" [14]

ترجمہ: "کہا: یہ پانچ ستارے ہیں: زحل، عطارد، مشتری، مریخ اور زہرہ۔"

اور "تفسیر منیر" میں علامہ زحیلیؒ نے جمہور کا مؤقف بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وهي عند الجمهور: الكواكب السيارة كالشمس والقمر وزحل وعطارد والمريخ والزهرة والمشتري. الجواري السيارة التي تجري مع الشمس والقمر، وترجع حتى تخفى مع ضوء الشمس۔ [15]

ترجمہ: "یہ جمہور کے نزدیک سیارے ہیں، جیسے سورج، چاند، زحل، عطارد، مریخ، زہرہ اور مشتری، جو سورج اور چاند کے ساتھ گردش کرتے ہیں اور پھر واپس آکر سورج کی روشنی میں غائب ہو جاتے ہیں۔"

خلاصہ یہ کہ یہ آیات اللہ کی قدرت اور حکمت کی طرف توجہ دلاتی ہیں، جو آسمانی نظام میں جھلکتی ہے۔ مفسرین نے ان الفاظ کی مختلف جہتوں سے وضاحت کی ہے، جن میں ستاروں کی حرکات، ان کا غائب ہونا، اور دوبارہ نمودار ہونا شامل ہیں۔

ستاروں کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بارہا فرمایا کہ کائنات کی تمام چیزیں اللہ کے حکم کے تابع ہیں، جیسا کہ فرمایا:

"وَكُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔" [16]

ترجمہ: "اور سب (ستارے، سیارے) اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔"

"اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ۔" [17]

ترجمہ: "اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کو۔"

ستاروں کی ڈور یعنی ان کی تخلیق، حرکت، اور نظام مکمل طور پر اللہ کے حکم سے ہے۔ وہی ان کے مداروں اور حرکت کو کنٹرول کرتا ہے۔

"فَلَا أُقْسِمُ" کی تفسیر:

"فَلَا أُقْسِمُ" کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں:

(1) "لا" لائدہ:

بعض مفسرین کا کہنا ہے کہ یہاں "لا" زائدہ ہے، اور قسم میں مزید تاکید پیدا کرنے کے لیے آیا ہے، مطلب یہ ہے: "قسم ہے ان چھپنے والے، حرکت کرنے والے اور چھپ جانے والے ستاروں کی۔" چنانچہ علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں:

"قَوْلُهُ تَعَالَى: (فَلَا أُقْسِمُ) أَيْ أقسم، وفَلا زائدة۔" [18]

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے فرمان" فَلا أُقْسِمُ "یعنی" أُقْسِمُ "، اس قسم میں "لا" زائدہ ہے۔"

(2) "لا" بطور نفی:

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں "لا" بطور نفی کے آیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح کفار گمان کرتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں، کسی انسان کا لکھا ہوا ہے، "لا" سے اس بات کی تردید کی ہے۔ جیسا کہ علامہ اسماعیل حقی[19] اپنی تفسیر "روح البیان" میں لکھتے ہیں:

"فَلَا أُقْسِمُ لا صلة أورد لكلام سابق اى ليس الأمر كما تزعمون ايها الكفرة من ان القرآن سحر او شعر او أساطير۔" [20]

ترجمہ: "فَلَا أُقْسِمُ" نہیں، یہ پچھلی گفتگو کے لیے اضافی ہے، یعنی ایسا نہیں جیسا کہ تم کفار دعویٰ کرتے ہو کہ قرآن جادو، شعر یا قدیم کہانیاں ہیں۔"

حکماء کے نزدیک ساتوں آسمانوں کی ترتیب:

حکماء (فلاسفہ) نے سات آسمانوں کی کیفیت کو مختلف انداز میں بیان کیا ہے، اور بعض قدیم فلسفیانہ متون میں ملتا ہے، اور ان کی کیفیت کو یوں بیان کیا گیا ہے:

قدیم یونانی فلسفیوں، خاص طور پر ارسطو اور بطلیموس (Ptolemy)، نے کائنات کو "فلک الافلاک" اور مختلف دائروں کی صورت میں بیان کیا۔

افلاک: سات آسمانوں کو سات دائروں یا کروں (spheres) کی شکل میں بیان کیا گیا، جہاں ہر فلک ایک سیارے سے متعلق تھا: چاند (Moon)

عطارد (Mercury)

زہرہ (Venus)

سورج (Sun)

مریخ (Mars)

مشتری (Jupiter)

زحل (Saturn)[21]

واللیل اذا عسعس۔ والصبح اذا تنفس

"عسعس" کا لغوی معنی:

لفظ "عسعس" عربی زبان میں مختلف معانی رکھتا ہے اور اس کا استعمال سیاق و سباق پر منحصر ہے۔ لغوی طور پر یہ لفظ دونوں طرح (آنا اور جانا) کے لیے استعمال ہوتا ہے: رات کا آنا (اندھیرا چھانے لگنا) اور رات کا جانا (صبح ہونے لگنا)۔ چنانچہ "المعجم الوسیط" میں اس کا معنی لکھا ہے:

"عسعس: اللَّيْل أقبل بظلامه۔" [22]

ترجمہ: "عسعس: کا معنی ہے رات اپنی تاریکی کے ساتھ آئی۔"

تفسیر کے مختلف پہلو:

"عسعس" کا ایک مطلب رات کا پھیلنا ہے۔ یعنی جب دن ختم ہوتا ہے اور اندھیرا چھانے لگتا ہے۔

"عسعس" کا دوسرا مطلب رات کا ختم ہونا ہے، یعنی جب صبح کا آغاز ہوتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مطابق یہاں رات کے اختتام کی بات ہو رہی ہے۔ رات کے آغاز اور اختتام دونوں قدرت کے عظیم نشانات

میں سے ہیں، جو اللہ کی قدرت اور حکمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ رات کے ان اوقات میں انسان کو سکون، تفکر اور عبادت کے مواقع ملتے ہیں۔ چنانچہ علامہ ابن کثیرؒ نے اس آیت کی تفسیر میں مفسرین کے اقوال نقل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"{وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ} فِيهِ قَوْلَانِ: أَحَدُهُمَا: إِقْبَالُهُ بِظَلَامِهِ. قَالَ مُجَاهِدٌ: أَظْلَمَ. وَقَالَ سَعِيدُ بْنُ جُبَيْرٍ: إِذَا نَشَأَ. وَقَالَ الْحَسَنُ الْبَصْرِيُّ: إِذَا غَشِيَ النَّاسَ۔ وَقَدِ اخْتَارَ ابْنُ جَرِيرٍ أَنَّ الْمُرَادَ بِقَوْلِهِ: {إِذَا عَسْعَسَ} إِذَا أَدْبَرَ۔" [23]

ترجمہ: "{وَاللَّيْلِ إِذَا عَسْعَسَ} اس میں دو قول ہیں: پہلا: اس کا تاریکی کے ساتھ آنا۔ مجاہد نے کہا: جب اندھیرا ہو۔ سعید بن جبیر[24] نے کہا: جب رات کا آغاز ہو۔ حسن بصری نے کہا: جب رات لوگوں پر چھا جائے۔ ابن جریر نے یہ اختیار کیا کہ مراد یہ ہے: جب رات ختم ہو۔"

رات کی تبدیلی (اندھیرا اور روشنی کا آنا) اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ دنیا کی ہر چیز عارضی ہے، اور ایک دن ایسا بھی آئے گا جب قیامت برپا ہو گی۔

صبح کا سانس لینا:

اس آیت میں "صبح کا سانس لینا" ایک تشبیہ ہے، جو رات کی تاریکی کے بعد روشنی کے ظہور کو بیان کرتی ہے۔ جیسے صبح دھیرے دھیرے طلوع ہوتی ہے اور اندھیرا ختم ہوتا ہے، اسی طرح حق کے پیغام کو بھی تاریکی (باطل) کے بعد روشنی (ہدایت) کے طور پر دنیا میں پھیلایا گیا۔ ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ ماتریدیؒ فرماتے ہیں:

"وفي إقبال الليل وإقبال النهار تثبيت القدرة والسلطان؛ وذلك أن ظلمة الليل إذا غشت سترت عن وجوه الأشياء وكشف النهار عنها الستر، ولو أراد أحد أن يغطي الأشياء كلها بالحيل والأسباب لم يتمكن منها، ولو أراد نزع الغطاء عنها، لم يملك، فذكرهم هذا؛ ليعلموا أن من بلغت قدرته هذا لا يعجزه أمر، ولا يتعذر عليه البعث؛ بل هو قادر على إحيائهم وبعثهم۔" [25]

ترجمہ: "رات کے آنے اور دن کے آنے میں اللہ کی قدرت اور اقتدار کا ثبوت ہے؛ کیونکہ رات کی تاریکی جب چھاتی ہے تو اشیاء کو ڈھانپ لیتی ہے، اور دن اس پردے کو ہٹا دیتا ہے۔ اگر کوئی انسان چاہے کہ اپنی تدبیروں اور وسائل سے تمام چیزوں کو چھپائے، تو ایسا نہیں کر سکتا، اور اگر وہ ان سے پردہ ہٹانا چاہے، تو اس پر قادر نہیں۔ یہ بات ان کو یاد دلائی گئی تاکہ وہ جان لیں کہ جس کی قدرت یہاں تک ہے، اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا اور نہ ہی قیامت کے دن زندہ کرنا اس کے لیے مشکل ہے؛ بلکہ وہ انہیں زندہ کرنے اور دوبارہ اٹھانے پر قادر ہے۔"

رات کی تاریکی جہالت، گمراہی، اور شرک کی علامت ہے، جو انسانیت پر غالب رہی۔ اور دن کی روشنی انبیاء کی آمد اور ہدایت کے پیغام کی علامت ہے، جو گمراہی کے اندھیروں کو مٹا دیتی ہے۔ مثال کے طور حضرت محمد ﷺ کی آمد سے پہلے عرب جہالت اور شرک کی تاریکی میں ڈوبے ہوئے تھے، لیکن آپ ﷺ کی تعلیمات نے دنیا میں ہدایت کا نور پھیلایا۔

انه لقول رسول كريم ذی قوة عند ذی العرش مكين

رسول کریم کا مصداق:

مفسرین کی ایک بڑی جماعت کے نزدیک یہاں "رسول کریم" سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں: حضرت جبریل قرآن کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے نبی اکرم ﷺ تک پہنچانے والے ہیں۔ آیت کے سیاق وسباق میں جبریل علیہ السلام کے اوصاف (قوت، مقامِ قرب) بیان کیے گئے ہیں۔

بعض مفسرین کے نزدیک یہاں "رسول کریم" سے مراد خود نبی اکرم محمد ﷺ ہیں۔ ان کے دلائل یہ ہیں:

قرآن مجید میں کئی دیگر مقامات پر نبی ﷺ کو "رسول کریم" کہا گیا ہے۔ جیسے سورۃ الحاقہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول کے نام سے نبی کریم ﷺ کے بارے میں فرمایا: "اِنَّه لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ۔" [26]

ترجمہ: "بے شک وہ (قرآن) البتہ ایک معزز رسول کا قول ہے۔"

اس تفسیر کے مطابق آیت میں بیان کردہ اوصاف (قوت، مقامِ قرب) نبی اکرم ﷺ کی عظمت کو ظاہر کرتے ہیں۔

لفظ "انه" میں ضمیر کے مرجع میں دونوں اقوال کا ذکر کرتے ہوئے "تفسیر ثعالبی" میں لکھا ہے:

"والضميرُ في «إنه» للقرآن، والرسولُ الكريمُ في قولِ الجمهور هو جبريل ع وقال آخرون: هو النبي صلى الله عليه وسلم في الآية كلّها، / والقول الأول أصحّ، وكَرِيمٍ صفة تقتضي رفع المذامّ، ومَكِينٍ معناه: له مكَانَة ورِفْعَة۔" [27]

ترجمہ: "اس میں ضمیر 'إِنَّهُ' قرآن کی طرف لوٹتی ہے، اور 'رسولِ کریم' کے بارے میں جمہور کا قول یہ ہے کہ اس سے مراد جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ جبکہ دوسروں نے کہا کہ اس سے مراد پوری آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پہلا قول زیادہ درست ہے۔ 'کریم' ایک صفت ہے جو عیبوں سے پاک ہونے کو ظاہر کرتی ہے، اور 'مکین' کا مطلب ہے کہ اسے بلند مقام اور مرتبہ حاصل ہے۔

"ذی قوة عند ذی العرش مكين" کی تفسیر:

رسول سے مراد جبرئیل امین ہو، یا رسول اکرم ﷺ ہو، بہر دو صورت آیت کی تفسیر یوں ہو گی:

"ذی قوۃ" اگر مراد حضرت جبریل ہوں، تو اس سے ان کی طاقت و فرماں برداری مراد ہے۔ اور اگر مراد نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ہوں، تو اس سے ان کی روحانی قوت اور استقامت مراد ہے۔

"عند ذی العرش مکین" جبریل علیہ السلام اللہ کے عرش کے قریب ایک بلند مقام پر فائز ہیں۔ اور نبی اکرم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کو بھی معراج کے وقت قربِ الٰہی کا مقام عطا کیا گیا۔

خلاصہ یہ کہ آیت میں لفظ "رسول کریم" کا مصداق حضرت جبریل علیہ السلام اور نبی اکرم صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دونوں ہو سکتے ہیں۔ لیکن زیادہ تر مفسرین نے سیاق وسباق کی بنا پر اسے حضرت جبریل سے منسوب کیا ہے، لیکن نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے حق میں بھی یہ اوصاف بلاشبہ درست ہیں۔

قرآن کے الفاظ اور معنی کی نسبت:

قرآن مجید کے الفاظ اور معنی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اللہ نے قرآن کے معانی کو جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک اپنے الفاظ میں نازل فرمایا۔ جبرائیل علیہ السلام نے اسے بغیر کسی تبدیلی کے رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تک پہنچایا۔ قرآن کریم کے بارے میں اہلِ سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ یہ معانی اور الفاظ دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ اس حوالے سے قرآن پاک کی کئی آیات موجود ہیں، چنانچہ سورۃ النمل میں ہے:

"وَإِنَّكَ لَتُلَقَّى ٱلْقُرْءَانَ مِن لَّدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ-" [28]

ترجمہ: "اور یقیناً تمہیں قرآن ایک حکمت والے اور علم والے (اللہ) کی طرف سے دیا جارہا ہے۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قرآن براہ راست اللہ تعالیٰ کا نازل کردہ ہے، نہ کہ نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ یا کسی اور کا کلام ہے۔

اسی طرح سورۃ الشعراء کی آیت کے مطابق قرآن کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، چنانچہ فرمایا:

"نَزَلَ بِهِ ٱلرُّوحُ ٱلْأَمِينُ عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ ٱلْمُنذِرِينَ۔ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِينٍ۔" [29]

ترجمہ: "اسے روح الامین (جبرائیل) لے کر نازل ہوئے ہیں، آپ کے دل پر، تاکہ آپ ڈرانے والوں میں سے ہو جائیں، واضح عربی زبان میں۔"

یہ آیت واضح کرتی ہے کہ قرآن اللہ کا کلام ہے جو جبرائیل کے ذریعے نبی صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ پر عربی زبان میں نازل کیا گیا۔

خلاصہ تفسیر:

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں قرآن کے عظیم مقام، جبرائیل علیہ السلام کی صداقت اور امانت کو بیان کیا گیا ہے۔ جبرائیل کو اللہ کا معزز فرستادہ بتایا گیا ہے، جو بڑی طاقتور، بلند مرتبہ، اور اللہ کے مقرب ہیں۔ وہ رسول اللہ صَلَّى ٱللَّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے سامنے اپنی اصل صورت میں ظاہر ہوئے اور قرآن کو خالصتاً اللہ کے حکم کے مطابق پہنچایا۔

حواشی

[1] (لسان العرب، 7:387)

[2] (تفسیر قرطبی، 19:235)

[3] (لسان العرب، 4:365)

[4] (تفسیر ابن کثیر، 8:335)

[5] (المعجم الوسیط، 1:397)

[6] (تفسیر ماتریدی، 10:433)

[7] (صحیح مسلم: 2807)

[8] (روح المعانی، 15:360)

[9] (المعجم الوسیط، 1:295)

[10] (لسان العرب، 4:154)

[11] (القاموس المحیط، 571)

[12] (روح المعانی، 15:261)

[13] (تفسیر طبری، 24:252)

[14] (روح المعانی، 15:262)

[15] (تفسیر منیر للزحیلی، 30:87)

[16] (سورہ یٰسین: 40)

[17] (سورہ السجدہ: 4)

[18] (تفسیر قرطبی، 19:236)

[19] **اسماعیل حقیؒ (المتوفی: 1725ء):**

اسماعیل حقی عثمانی دور کے مشہور صوفی، مفسر اور عالم تھے۔ ان کا پورا نام اسماعیل حقی بروسوی تھا اور وہ ترکی کے شہر آیدوس میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے مختلف علوم میں مہارت حاصل کی اور "روح البیان" نامی تفسیر قرآن تحریر کی، جو صوفیانہ تفاسیر میں اہم مقام رکھتی ہے۔ ان کا انتقال 1725ء میں برصہ میں ہوا۔ (تاریخ علمائے عثمانیہ" از محمد امین قندوزی)

[20] (تفسیر روح البیان، 10:349)

[21] (Ptolemy, Almagest، کتاب اول)

[22](المعجم الوسیط، 2:600)

[23](تفسیر ابن کثیر، 8:338 / تفسیر طبری، 24:257)

[24]**سعید بن جبیرؒ (المتوفی: 714):**

سعید بن جبیرؒ کبار تابعین میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کا پورا نام سعید بن جبیر بن ہشام الاسدی تھا اور وہ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس اور دیگر صحابہ سے علم حاصل کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، عبادت اور زہد و ورع میں کمال حاصل کیا۔ حجاج بن یوسف کے حکم پر 714ء میں واسط میں ان کی شہادت ہوئی۔ (سیر اعلام النبلاء" از امام ذہبی)

[25](تفسیر ماتریدی، 10:435)

[26](سورۃ الحاقۃ: 40)

[27](تفسیر ثعالبی، 5:558)

[28](سورہ النمل: 6)

[29](سورہ الشعراء: 193-195)

References

(Lisan al-‘Arab, 7: 387)
(Tafsir Qurtubi, 19: 235)
(Lisan al-‘Arab, 4: 365)
(Tafsir Ibn Kathir, 8: 335)
(al-Mu‘jam al-Wasit, 1: 397)
(Tafsir Maturidi, 10: 433)
(Sahih Muslim: 2807)
(Ruh al-Ma‘ani, 15: 360)
(al-Mu‘jam al-Wasit, 1: 295)
(Lisan al-‘Arab, 4: 154)
(al-Qamus al-Muhit, 571)
(Ruh al-Ma‘ani, 15: 261)
(Tafsir Tabari, 24: 252)
(Ruh al-Ma‘ani, 15: 262)
(Tafsir al-Munir li al-Zuhayli, 30: 87)
(Surah Ya-Sin: 40)
(Surah al-Sajdah: 4)
(Tafsir Qurtubi, 19: 236)

Isma‘il Haqqi (d. 1725 CE):

Isma‘il Haqqi was a renowned Sufi, exegete (mufassir), and scholar of the Ottoman period. His full name was Isma‘il Haqqi al-Bursawi, and he was born in the city of Aydos in present-day Turkey. He mastered various Islamic sciences and authored the

Qur'anic commentary *Ruh al-Bayan*, which holds a significant position among mystical (Sufi) exegeses. He passed away in Bursa in 1725 CE.
(*Tarikh 'Ulama al-'Uthmaniyyah* by Muhammad Amin Qundoozi)
(Tafsir Ruh al-Bayan, 10: 349)
(Ptolemy, Almagest, Kitab Awwal)
(al-Mu'jam al-Wasit, 2: 600)
(Tafsir Ibn Kathir, 8: 338 / Tafsir Tabari, 24: 257)

Sa'id ibn Jubayr (d. 714 CE):

Sa'id ibn Jubayr is regarded among the eminent Tabi'in (the generation following the Companions of the Prophet ﷺ). His full name was Sa'id ibn Jubayr ibn Hisham al-Asadi, and he was born in Kufa. He acquired knowledge from 'Abdullah ibn 'Abbas (RA) and other Companions, excelling in Qur'anic exegesis, Hadith, jurisprudence, devotion, and asceticism. He was martyred in Wasit in 714 CE by the order of al-Hajjaj ibn Yusuf.
(*Siyar A'lam al-Nubala* by Imam al-Dhahabi)
(Tafsir Maturidi, 10: 435)
(Surah al-Haqqah: 40)
(Tafsir Tha'alibi, 5: 558)
(Surah al-Naml: 6)
(Surah al-Shu'ara: 193–195)